بے تکلف اور

سنہ ۱۹۲۶ء

...ی بہ رعایت اور عمدہ کتب کا ذخیرہ

...ی الابرار والفجار۔ مؤلف حضرت مولانا احمد دین صاحب گانگوی حجم ۹۸ صفحہ
...مولانا ممدوح نے بایما اعلیٰحضرت سجادہ نشین صاحب سیال شریف تحریر فرما کر مسلمانوں
...بڑا احسان کیا ہے۔ مولانا ممدوح نے کتاب میں مسئلہ سماع پر نہایت محققانہ
...کرتے ہوئے مخالفین کے دلائل کا ایسا دندان شکن جواب دیا ہے کہ آجتک
...تردید کی جرأت نہیں ہو سکتی حدیث شریف آثار اقوال محدثین و فقہا غرض
...کے متعلق معلومات کے دریا کو ایک کوزہ میں بند کر دیا ہے۔ ملک بھر کے
...اخبارات نے اس پر نہایت عمدہ ریویو کئے ہیں۔ خاندان چشتیہ کے ساتھ
...رکھنے والوں میں ہر شخص و مسلمان کو کتاب کا ہونا ضروری ہے۔ مال
...کے فریب سے محفوظ رہیں قیمت ۸ر

...ستان خیال مؤلفہ مولانا غلام دستگیر خاں صاحب بیخود بیخود صاحب بے عمدہ
...نظم و نثر کا مجموعہ ہے شائقین کلام بیخود کے لئے اس کا مطالبہ ضروری ہے قیمت ۸۰ر

...سلسلہ چشتیہ نظامیہ سلیمانیہ شمسیہ منظوم اردو از مولانا مولوی محمد سعید صاحب
...پوری اس سلسلہ میں اعاظم خلفاء حضرت سیالوی تک کے اسماء درج ہیں قیمت ار

...انوار شمسیہ سوانحعمری حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی قدس سرہ العزیز قیمت ۰۰ عہ

محبوب سیال یعنی مجموعہ حالات کرامات ملفوظات وغیرہ اعلیٰحضرت اشرف الاولیا حضرت خواجہ محمد صاحب
...مظہر الانصافی رد منبع الانصاف مؤلفہ حضرت مولانا مولوی قاضی فضل احمد صاحب حنفی نقشبندی
...۵ صفحہ یہ کتاب مذہب شیعہ کی کتاب کا بزبان فارسی ان عمدہ طریقہ سے رد کیا گیا ہے اور ایسے
...دندان شکن جواب دیئے گئے ہیں۔ کہ اس کا جواب الجواب آجتک نہیں دیا سکتے قیمت صرف ۳۰

...لطائف الرحمن فی ادعیۃ القرآن جس میں قرآن شریف کی تمام دعائیں مع اردو ترجمہ جمع کیگئی ہیں قیمت ۱۰۰

مینجر رسالہ شمس الاسلام سرگودھا

کلکتہ کے مشہور ڈاکٹر ایس کے برمن کا ایجاد کردہ

لال شربت

اگر آپ اپنے بچوں کو تندرست رکھنا چاہتے ہیں۔ تو لال شربت پلائیے
کلیجہ کی کمزوری۔ کھانسی۔ لاغری کو دور کرنا چاہتے ہیں۔ تو لال شربت پلائیے
پیدائش کیوقت سے ہوشیار ہونے تک یہ لال شربت یکساں مفید ہے
پینے میں شیریں اور رنگ سرخ ہونے وجہ سے بچے خواہش سے پیتے ہیں
آپ بھی اپنے بچونکو پلاکر آزمائش کیجئے۔ قیمت فی شیشی ایکروپیہ (عہ) محصولڈاک ۸ر

پرانا سوزاک کی دوا

پیشاب کا جلن اس کا رک رک کر ٹپکنا یا اس کے ساتھ مواد کا گرنا
کل اس دوا کے استعمال سے موقوف ہو جاتا ہے۔ سوزاک پر ہو
جانے پر پیشاب قطرہ قطرہ ہو کر ٹپکتا ہے۔ اور کبھی بند ہو کر مریض کی جان
پر نوبت آجاتی ہے۔ اس دوا سے لاکھوں مریض شفا پا چکے ہیں
قیمت فی شیشی عہ (دو روپے) محصولڈاک ۶ر (چھ آنہ)

المشتہر
ڈاکٹر ایس کے برمن صیغہ نمبر ۱۴ پوسٹ بکس نمبر ۵۵۴
کلکتہ

نوٹ۔ ایجنٹ کی ضرورت ہے۔ قواعد ایجنسی کے لئے درخواست کیجئے

بابت ماہ اپریل ۱۹۲۷ء

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	آل انڈیا خلافت کانفرنس	مولانا عبدالماجد دریا آبادی صدر مجلس استقبالیہ	۲
۲	شجرۃ الرضوان	از قلم مولانا قاری شاہ محمد جعفر صاحب پھلواری	۱۶
۳	ہاں سنا دے محفل کو پیغام سروش	مولوی عبدالحفیظ صاحب قندوانی مطرب	۲۵
۴	نمود شام	از جناب خان احمد حسین خان مدیر شباب اردو لاہور	۲۶
۵	جدید افغانستان کا دلچسپ نظارہ	نیو اسٹیٹس	۲۷
۶	باطل حکومت	از مولانا ابوالجلال ندوی	۳۲
۷	کفر و اسلام کے اتحاد کا سوال	از جناب محمد پیر بخش صاحب سکرٹری انجمن تائید اسلام لاہور	۳۹

مولانا عبدالماجد دریابادی صدر مجلس استقبالیہ

آل انڈیا خلافت کانفرنس اجلاس چہاردہم کا خطبہ

قوم اور ملت کے خدمتگذار و! دین و ملت کے سرفروش سپاہیو! دور دراز سے زحمت سفر اٹھا کر آنے والے جلیل القدر مہمانو! ایک نامور مگر اجڑے ہوئے شہر کے باشندوں کی طرف سے اپنے تہی مایہ اور بے مقدرت میزبانوں کی جانب سے ایک بے بضاعت اور نااہل فرد کی زبان سے تحیہ و سلام اور برکت و رحمت کی دعاؤں کا تحفہ قبول کرو۔

جس سرزمین پر ہم سب اس وقت جمع ہوئے ہیں۔ اس کی قسمت بھی قسام ازل نے کچھ عجیب رکھی ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی پرقوت حکومت سینکڑوں برس تک قائم رہی۔ لیکن لکھنؤ کو دارالسلطنت بننا کب نصیب ہوا اس وقت جبکہ خود سلطنت میں انتشار اور اختلال پوری طرح پیدا ہو چکا تھا۔ مسلمانوں کی مرکزیت پارہ پارہ ہو چکی تھی۔ اور بابر و اکبر۔ شاہجہان و اورنگ زیب کے محض افسانے رہ گئے تھے۔ ملک ہند میں مسلمانوں کے علوم شعر و ادب کا نقارہ صدیوں تک بجتا رہا۔ لیکن فرنگی محل کے علم و فضل اور لکھنؤ کی شاعری کا آفتاب کب چمکا۔ اس وقت جبکہ خود مسلمانوں کے علم و ادب کا آفتاب ہندوستان میں لب بام ہو چکا تھا۔ آل انڈیا خلافت کانفرنس کے اجلاس سالہا سال سے ملک کے مختلف گوشوں میں ہو رہے تھے۔ کلکتہ۔ بمبئی۔ دہلی وغیرہ کا ذکر نہیں۔ بلگام و کناڈا جیسے دور افتادہ مقامات تک یہ فخر حاصل کر چکے ہیں۔ لیکن اب تک اس شرف

سے اگر کوئی محروم رہا تھا۔ تو وہ بھی شہر لکھنؤ تھا۔ آج جب یہ سعادت اس کی قسمت میں آرہی ہے۔ تو ہر شخص خود دیکھ رہا ہے۔ کہ روز عید کی شام کے آثار نمایاں ہیں۔ سرور شب کے اُتار کا وقت ہے۔ اور اہل بزم تھک تھکا کر انگڑائیوں پر انگڑائیاں لے رہے ہیں۔ اخیر یہ اپنا اپنا ظرف ہے۔ اور اپنا اپنا نصیب! کسی کو شب کے بناؤ سنگار دیکھنا مبارک اور کسی کے نصیب میں سحر کی بگڑی ادائیں آنا مبارک

ہر کس مے کشیدہ در مجلس وصالش
چوں دور خسرو آمد جام و سبو نماندہ

لیکن ساقی سے بدگمانی کی مجال نہیں طبیعت میں کیف اور قلب میں ذوق اگر موجود ہے۔ تو بڑے سے بڑا خم اور چھوٹے سے چھوٹا جام سب برابر ہیں۔ یہ پہلو لکھنؤ کی بدقسمتی کا تھا۔ لیکن خوش قسمتی کا پہلو لیجئے۔ تو انجمن خدام کو جسے خلافت کمیٹی کا نقش اول کہنا چاہئے۔ اسی سرزمین پر گنتی کے چند آدمیوں اور بہائے نام سرمایہ کے ساتھ قائم ہوئی تھی۔ اور اسی کے کارناموں نے آج سے چودہ پندرہ سال قبل ملک کے طول و عرض میں غلغلہ ڈال دیا تھا۔ پھر ۱۹۱۹ء میں آل انڈیا مسلم کانفرنس کے نام سے جو عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ اس کے بعد ۱۹۲۱ء میں جناب مولانا محمد علی کے زیر صدارت ۱۰۰ھ خلافت کانفرنس کا جو اجتماع عظیم ہوا تھا۔ وہ بھی اسی شہر میں اسی عمارت کے احاطہ میں منعقد ہوا تھا۔ اس بنا پر صوبہ اودھ کا اجڑا ہوا دارالسلطنت اگر آل انڈیا خلافت کانفرنس اور جمعیۃ الخلافۃ کے وطن ہونے کا فخر اپنے لئے حاصل کرنا چاہے۔ تو شاید یہ فخر فخر بیجا نہ ہو۔ چودھویں رات کا چاند بدر کامل ہوتا ہے۔ خدائے پاک بہاری کانفرنس کے اس چودھویں اجلاس کو بھی ماہ شب چہاردہم کا حسن و جمال نور کمال نصیب کرے۔ اور وہ جمال و کمال جو مستقل طور پر ہمیشہ کے لئے اسے ماہ شب چہاردہم بنائے رہے۔

لکھنؤ کی پچھلی خدمات کے سلسلہ میں اودھ کی اس ممتاز ہستی کا نام بھی حسرت و ماتم کے ساتھ آنا ناگزیر ہے۔ جو پچھلے خلافت کانفرنس کان پور کے اجلاس کے چند ہی روز کے بعد عالم عنصری سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئی۔ یعنی مرحوم و مغفور مولانا عبدالباری فرنگی محلی ان کے قومی کارنامے آج کسی یاد دہانی کے محتاج نہیں تحریک خلافت کے سلسلہ میں ان کی ذات ایک مرکز کا مرتبہ رکھتی تھی۔ آج اگر وہ زندہ ہوتے تو اپنے ہاتھ کے لگائے ہوئے پودے کو اپنے ہی شہر میں پروان چڑھتے دیکھ کر کس قدر مسرور ہوتے۔ اور ان کی ذات گرامی سے ارکان مجلس استقبالی کو آج ہر قسم کی کس درجہ اعانت ملتی۔ کارساز حقیقی کے لطف و کرم سے کیا عجیب ہے۔ کہ اس وقت بھی اس کے فرشتہ خدائی لاسلکی (وائرلس) کی مدد سے ان کی روح کی آنکھوں اور کانوں کو یہ سب کچھ دکھا اور یہ سب کچھ سنا رہے ہوں۔ خدائے آمرزگار ٹھنڈی رکھے۔ اس خادم دین کی تربت کو۔ اور رحمتیں نازل کرے اس کی روح پر

بزرگو۔ دوستو اور عزیزو! آج مختلف سمتوں سے یہ صدائیں بلند ہو رہی ہیں کہ اب خلافت کمیٹی کی ضرورت کیا باقی رہی۔ اور اگر کچھ ضرورت ہو بھی۔ تو یہ کیا ضرور ہے۔ کہ اس کو اسی نام کے ساتھ باقی رکھا جائے۔ حیران ہوں کہ ان سوالات کا کیا جواب دوں۔ کہ اس سے بڑھکر حیرانی یہ ہے۔ کہ یہ سوالات کسی مسلمان کے دماغ میں پیدا کیونکر ہوئے؟ جس انسان کو خلافت سے عار آتا ہے۔ درحقیقت اسے خود اپنے وجود سے عار آنا چاہئے۔ کہ انسان کی حیثیت اس کا نیابت ارضی میں بجز خلیفہ کے اور کچھ نہیں۔ یہ کسی فقیہہ کا فتویٰ نہیں۔ کسی مورخ کی رائے نہیں۔ کسی بشر کا قول نہیں۔ بلکہ اس وقت جب آدمؑ کا وجود نہ تھا۔ نہ بنی آدمؑ کا۔ نہ بشر کا نہ ابوالبشر کا اس وقت سب کے پیدا کرنے والے نے سب کو نیست سے ہست کرنے والے نے صاف صریح اور غیر مشتبہ الفاظ میں ارشاد فرما دیا تھا۔ کہ میں زمین پر اپنا خلیفہ

بنانے والا ہوں۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً یہ نہیں ارشاد ہوتا کہ انسان کو حاکم پیدا کیا جائے گا۔ شاعر پیدا کیا جائیگا۔ فقیہہ پیدا کیا جائیگا۔ مجاہد پیدا کیا جائیگا بلکہ صرف یہ ارشاد ہوتا ہے۔ کہ اسے روئے زمین پر خلیفہ بنا کر پیدا کیا جائیگا انسانوں کے مختلف طبقہ اور گروہ شروع سے قائم ہیں۔ اور آخر تک قائم رہیں گے۔ کوئی شاہ ہوگا کوئی گدا۔ کوئی امیر ہوگا۔ کوئی فقیر۔ کوئی حاکم ہوگا۔ کوئی محکوم۔ کوئی ذہین ہوگا۔ کوئی غبی۔ کوئی صحیح ہوگا۔ کوئی مریض۔ کوئی بڑا ہوگا۔ کوئی چھوٹا۔ یہ سارے اختلاف ہوتے آئے ہیں۔ اور ہوتے رہیں گے۔ لیکن منصب خلافت سے دست برداری کسی لمحہ اور کسی آن ممکن نہیں۔ ہر انسان اول میں بھی خلیفہ ہے۔ اور آخر میں بھی۔ جسد خاکی میں جس وقت روح داخل ہوتی ہے۔ اپنے ہمراہ منصب خلافت کو لیکر داخل ہوتی ہے اور جب خود روح نہ نکل جائے۔ کوئی قوت اس منصب سے انسان کو بیدخل نہیں کرسکتی یہ لقب ہندوستان کی مرکزی خلافت کمیٹی کا گڑھا ہوا نہیں ہے۔ مولانا شوکت علی کا ایجاد کیا ہوا نہیں۔ بلکہ اس بڑی سرکار کا بخشا ہوا ہے۔ جس کے یہاں سے ہمیں خود جامۂ انسانیت اور خلعت وجود عطا ہوا ہے۔ طبیعتیں اگر اس خطاب سے اکتا گئی ہیں۔ تو اس خطاب کی واپسی اسی سرکار میں کرنی چاہیئے جہاں سے یہ مرحمت ہوا تھا۔

خلافت اس وسیع معنی میں انسانیت کے ہم معنی ہے۔ لیکن محدود و مخصوص مفہوم میں اس کا اطلاق خاص محل نعمت پر ہوتا ہے۔ قرآن پاک کی آیات کریمہ میں استخلاف خلفاء خلائف وغیرہ کا استعمال ایسے ہی مواقع مدح پر ہوا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک نبی جلیل القدر حضرت داؤد کو جو نبوت کے حلۂ نورانی کے ساتھ ہی حکومت کے خلعت مادی سے بھی سرفراز تھے۔ اور نظام حکومت منشائے ربانی کے مطابق قائم کئے ہوئے تھے۔ خطاب کرکے ارشاد فرماتا ہے۔ دیاداؤد اِنَّا جَعَلْنٰکَ

خلیفۃ فی الارض) اے داؤد ہم نے تمہیں روئے زمین پر اپنا خلیفہ بنایا اللہ اکبر مرتبہ خلافت کی بلندی دیکھنا۔ منصب نبوت پر سرفرازی کے بعد ہی خلعت امتیاز ملتا ہے۔ تو خلافت کا!

اس بڑی خلافت کو انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد جن بزرگوں نے زندہ رکھا اور جو سرور کائنات صلعم کے ارشاد مبارک نیز جمہور امت کے متفقہ فیصلہ کے مطابق افضل ترین بشر گذرے ہیں۔ ان کے لئے سب سے بڑا تعظیمی لفظ جو استعمال ہو سکتا ہے۔ وہ خلیفۃ الرسول ہے۔ اور بعد ختم نبوت سب سے بڑا مرتبہ جو کسی باخدا انسان کو ملتا تھا۔ اس کا نام شریعت کی زبان میں خلافت ہی ہے۔ ہم اہلسنت میں سے بڑی فضیلت میں چار ہستیاں شریک سمجھتے تھے۔ اور ان چاروں کو خلفاء راشدین کہتے ہیں۔ فرقہ شیعہ کے نزدیک اس کے حقدار صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ لیکن وہ بھی سب سے زیادہ زور ان کی خلافت بلا فصل ہی پر دیتا ہے۔ ایک طرف یہ منصوصات ہیں۔ تصریحات ہیں۔ کتاب اللہ ہے۔ سنت انبیاء کرام ہے۔ اسوہ صحابہ ہے۔ اور دوسری طرف لے دے کے یہ دلیل ہے۔ کہ چونکہ ترکوں نے اپنے سر خلافت کی ذمہ داریاں لینے سے انکار کر دیا ہے۔ اس لئے سرے سے تحریک خلافت ہی کو فنا کر دینا چاہئے۔ گویا اگر ترک کل خدانخواستہ اپنے دین سے مرتد ہو جائیں۔ تو ہم سب کے اتداد کے لئے بھی دلیل کافی ہو جائے گی۔ کہ جب اتنی بڑی محافظ اسلام قوم نے اپنا دین بدل دیا۔ تو ہم کب تک اس دین کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ اب دونوں پہلو آپ کے سامنے ہیں۔ اور ہر شخص کو اختیار ہے۔ کہ دونوں میں سے جو پہلو زیادہ ترقی۔ زیادہ معقول اور زیادہ تسلی بخش معلوم ہو انتخاب کرے۔

پوچھا جاتا ہے۔ طنز اور بیدردی کے لہجہ میں پوچھا جاتا ہے۔ کہ اب تک

خلافت کمیٹی نے کام کیا کیا ہے۔ یہ سوال ہم سے کیا جاتا ہے۔ اس کا جواب اگر لینا ہے۔ تو انگریزی عدالتوں کے در و دیوار سے پوچھو۔ پولیس کے رجسٹروں سے پوچھو۔ جیل خانوں کے دروازوں اور پھاٹکوں سے پوچھو۔ لوہے کی بنی ہوئی ہتھکڑیوں سے پوچھو۔ اس کا جواب مصر سے لو۔ فلسطین سے لو۔ حجاز سے لو۔ ٹرکی سے لو۔ افغانستان سے لو۔ جاوا سے لو۔ ہر آزاد اور نیم آزاد اسلامی ملک سے لو۔ ساری دنیائے اسلام سے لو۔ اور اس پر بھی پوری تشفی نہ ہو۔ تو اللہ کے پاک فرشتوں کی زبان سے سنو۔ اور انہیں آپس میں یہ چرچا کرتے ہوئے سنو کہ جب آزمائش کا وقت آیا۔ جب خلافت اسلامیہ کے لئے خطرے کی گھڑی آئی۔ جب اسلام کی زیست اور موت کا سوال درپیش ہوا۔ تو اس وقت اللہ کے نام پر اس کے آخری رسول کے پیام پر اس کی شریعت کے احترام پر اپنے مال لٹا دینے والے اپنی عزتیں اور شہرتیں قربان کر دینے والے اپنا عیش و آرام نثار کر دینے والے اپنی دنیا تاراج برباد کر دینے والے اپنی جانوں کو اپنی ہتھیلیوں پر رکھ رکھ کر صدائے لبیک کہنے والے۔ بیڑیاں پہننے کے شوق میں۔ طوق و زنجیر کے ذوق میں۔ ننگے اور بھوکے رہنے کے اشتیاق میں پھانسی کے تختہ پر چڑھنے کی تمنا میں۔ سینہ پر گولیاں کھانے کی طلب میں میدان میں اپنی تڑپتی ہوئی لاشوں کو بے گور و کفن چھوڑ جانے کے ارمان میں جو خاک کے پتلے سب سے پہلے آگے بڑھے۔ وہ غلام ہندوستان کے غلام مسلمان۔ وہ مجبور ہندوستان کے مجبور امتیان رسول۔ وہ اسی ظلمت کدہ کے بسنے والے خدمت گذاران خلافت ہی تھے۔ زود فراموش انسان۔ حیلہ باز انسان اور صبر و انتظار سے گھبرا جانے والا انسان ممکن ہے۔ ان واقعات کو آج بھول جائے۔ یا قصداً بھلا دے۔ لیکن اوراق لیل و نہار پر روئے زمین کے ذرات پر صحیفہ کائنات کے ایک ایک صفحہ پر جس وقت تک ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام

کی فداکاری۔ اسمٰعیل ذبیح کی قربانی۔ اور حسین بن علیؓ رضی اللہ عنہما کے ذوقِ شہادت کے واقعات سب ہمیں اس وقت تک ان نامور سرداروں کے ادنیٰ سپاہیوں خلافتِ اسلامیہ کے خدمتگزاروں اور تحریکِ خلافت کے علمبرداروں کی حقیر و ناچیز کوششوں کا نقش بھی صفحۂ ہستی سے مٹ نہیں سکتا۔ انسان اگر آج بھلانا چاہتا ہے۔ تو بھلا دے۔ لیکن وہ علیم و خبیر و لطیف و بصیر جسکی ذات سہو و نسیان سے منزہ ہے اور جو انسانی نگاہوں سے اوجھل پتھروں کے اندر رہنے والے کیڑوں تک کی خبر گیری کرتا رہتا ہے۔ اپنے عاجز و درماندہ بے کس اور بے بس بندوں کی اس خداکاری کو بھول نہیں سکتا اور اکیلے اسی کا یاد رکھنا بس ہے۔

بزرگو اور عزیزو! خلافت کمیٹی کو اپنی بساط و مقدرت کے موافق آج خلافتِ راشدہ کی جانشینی کرنا ہے۔ اس لئے اس کے پھیلاؤ میں ساری دنیائے اسلام آجاتی ہے۔ ہندوستان بھی اور ہندوستان کا باہر بھی۔ لیکن اس کا اصلی اور مرکزی تعلق قدرۃً اسلام کے مرکزِ ارضی سے ہے۔ اس ارضِ فلک مرتبت سے جس پر اللہ کے سب سے اچھے اور سب سے سچے .... بندہ کے نقشِ قدم ثبت ہیں۔ اس رشکِ عرش سرزمین سے جو تیئیس سال تک خدا معلوم کن کن قابلِ بیان اور ناقابلِ بیان تجلیات کی جلوہ گاہ رہی ہے۔ اس خطہ پاک سے جو آج بھی اللہ کے سب سے زیادہ پیارے اور چہیتے۔ سب سے زیادہ دلارے اور لاڈلے کا آخری آرامگاہ ہے۔ وہاں کی ادنےٰ سے ادنےٰ خدمت ہماری سب سے بڑی سعادت اور اس مرکز کے ساتھ ہمارا خفیف سا لگاؤ بھی ہماری سب سے بڑی عبادت ہے۔ وہاں کے حالات کی معمولی سی ناخوشگواری سن کر بھی اگر ہمارا دل قابو میں نہ رہے۔ ہمارے ہوش و حواس اگر درست نہ رہیں۔ غرض

اضطراب و اضطراب سے اگر ہم بیخود ہو جائیں۔ خدارا ہم پر بے عقلی و بے دانشی کا الزام نہ لگائیے۔ اور اگر لگائیے بھی۔ تو کم از کم ہم سے یہ توقع تو نہ رکھئے۔ کہ اس الزام کے دفع کرنے کے لئے ہم اپنے اس قدرتی اور قلبی تعلق میں ایک ذرا برابر بھی کمی آنے دینگے۔ ہندوستان پر اگر کوئی مصیبت آئی۔ تو وہ یقیناً ہماری مصیبت ہوگی۔ ٹرکی۔ مصر۔ افغانستان و مراکش میں ہمارے بھائیوں کو کوئی دکھ پہنچا۔ تو وہ دکھ بھی عین ہمارا دکھ ہوگا۔ لیکن خدانخواستہ اگر اس مرکز اسلام۔ قبلہ دین مرکز ایمان کو ادنےٰ سا بھی گزند پہنچا۔ تو یہ ہمارے جسم کا صدمہ نہ ہوگا۔ بلکہ خطرہ ہوگا۔ ہماری جان کی پامالی ہوگی۔ ہماری روح کا حملہ ہوگا۔ ہمارے ایمان پر سینکڑوں ہندوستان اور ہزارہا افغانستان۔ صدہا مصر اور بے شمار ٹرکی قربان ہیں۔ اس ارض پاک کے چپہ چپہ پر نثار ہیں۔ اس دیار حبیب کے ذرہ ذرہ کا رائل کا شمار اگر یہ کہکر بھی کہ برطانوی قوم کو برطانیہ کی سلطنت چھن جانا قبول ہے۔ لیکن شکسپیر سے دستبردار ہو جانا قبول نہیں۔ داناؤں میں باقی رہ سکتا ہے۔ تو ایک مسلمان بھی ارض حجاز کے متعلق اس والہانہ عقیدت کو بیان کرنے سے نادانوں کے زمرہ میں نہیں آجاتا۔ لیکن اگر یہ نادانی ہے۔ تو اس نادانی پر ہزاروں دانائیاں قربان اور اگر جنون ہے۔ تو اس جنون پر ہزاروں خردمندیاں تصدق! اللہ سے بصد عجز و تضرع دعا ہے۔ کہ وہ ہماری اس نادانی بے عقلی اور جنون کو بجائے دور کرنے کے اور ترقی دیتا رہے ؎

من لذت درد تو بدرماں نہ فروشم
دشوار بدست آید و آساں نہ فروشم

آج اس ارض نور کے مطلع پر ملکیت و استبداد کا جو سیاہ بادل چھایا ہوا ہے۔ اس کو جائز و مناسب تدبیروں سے دور کرنا اور سرزمین قبلہ کو پھر تمام اہل قبلہ

کے سپرد کر دینا خادمان خلافت کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا فرض ہونا چاہیئے یہ جائز و مناسب تدبیر کیا اور کیونکر اختیار کی جائیں۔ اس کا فیصلہ کرنا قوم کے اہل حل و عقد کا فرض ہے۔ ان طریقوں کے اختیار کرنے میں اختلاف رائے و خیال کی پوری گنجائش ہے۔ لیکن نفس اس فریضہ کی اہمیت سے انکار یا اس میں تردد و تامل۔ تصور میں نہیں آتا۔ کہ کلمہ گویان اسلام کا کوئی بھی فرد کر سکتا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ اصلاح و مفاسد کے لئے صرف حجاز کا کیوں انتخاب کیا جاتا ہے۔ بے شمار مفاسد دوسرے ملک اسلامیہ میں بھی تو آخر موجود ہیں۔ میرے بھائیو اور بزرگو! کاش ان الفاظ کو زبان سے نکالنے کے قبل ان کے معنی کو سوچ لیا جاتا۔ جسم کے کسی حصہ میں پھانس لگ جائے۔ تو تکلیف و اذیت کس کو نہ محسوس ہوگی۔ لیکن اگر خدانخواستہ قلب میں نشتر کھسا جا رہا ہے۔ تو کیا اس غریب اور بدنصیب سے یہ سوال کیا جائیگا۔ اور اسے اس کے جواب پر مجبور کیا جائیگا۔ کہ وہ ہاتھ پیر کی پھانسوں کو چھوڑ کر قلب کے نشتر سے کیوں اس قدر بے قرار ہوا جا رہا ہے۔ محبت و عقیدت ہم کو دنیا کے ہر نیک اور خدا پرست انسان سے ہے۔ خواہ وہ کسی زمانہ اور کسی قوم کا ہو۔ کہ اسلام کی یہی تعلیم ہے۔ لیکن قلب کو جو تعلق جگر گوشۂ عبداللہ اور نور بصر آمنہ (روحی فداہ) کے ساتھ ہے۔ وہ تو کسی بزرگ۔ کسی ولی کسی نبی کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ پھر یہ کیا قیامت ہے۔ کہ اس کو مشورہ یہ دیا جا رہا ہے کہ حجاز کے مفاسد موجودہ کو ان کی حالت پر چھوڑ دو۔ اور اس وقت تک انتظار کرتے رہو۔ جب تک سارے عالم اسلام کی اصلاح نہ ہو جائے۔ دوستو اور عزیزو! گذارشات اور معروضات کا یہ مطلب نہیں۔ کہ حجاز کی موجودہ حکومت کے خلاف فوراً اعلان جنگ تو ہم کافر اور غاصب حکومتوں تک کے خلاف نہیں کرتے فریضہ ہمیشہ بطور نصب العین (آئیڈیل) کے ہوتا ہے۔ اور اس نصب العین

کے حصول کے ذرائع کا دارمدار ہمیشہ اپنی صلاحیت و تعداد اور حالات گردپیش کی موافقت اور عدم موافقت پر ہوتا ہے۔ مقصد گذارش صرف اس قدر ہے کہ اس فریضہ کو بطور نصب العین کے سامنے رکھ کر تمام امور متعلقہ پر سنجیدگی و خلوص اور محبت برادرانہ کے ساتھ غور کر کے فیصلہ متفقہ یا بڑی اکثریت کے ساتھ صادر ہو۔ اس پر پوری قوت و دیانت کے ساتھ عمل کیا جائے۔ خدا کے فضل سے مؤتمر کا ایک بہت مؤثر آلہ ہمارے ہاتھ میں آگیا ہے۔ اس سے پورا فائدہ اٹھانا ایک بہترین خداداد موقع کو ہاتھ سے ضائع کر دینا ہوگا۔

ارض حجاز کی اس خدمت کے ساتھ ہی ساتھ خود اپنے وطن میں کام کرنے کے نہایت وسیع میدان موجود ہیں۔ کہا جاتا ہے۔ کہ خلافت کمیٹی کو اب باہر کا خیال چھوڑ کر گھر کی خبر لینا چاہیئے۔ اور سارا کام اب ہندوستان ہی میں کرنا چاہیئے۔ سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ آخر یہ دونوں کام ایک دوسرے کے منافی کیوں قرار دے لئے گئے ہیں۔ کیا حقوق اللہ اور حقوق العباد ایک دوسرے کے منافی ہیں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ ایک شخص اللہ کے لئے نماز بھی پڑھتا ہے۔ اور روزہ بھی رکھتا رہے۔ اور ساتھ ہی اپنے کنبہ والوں اور اپنے ہمسایوں کی خدمت بھی کرتا رہے۔ اور یہ دونوں قسم کے کام اسی چوبیس گھنٹہ والے دن رات کے اندر ہی انجام پاتے رہیں توفیق الٰہی اگر یاوری کرے اور ہم خلوص و نیک نیتی کیساتھ تھوڑی سی ہمت بھی اپنے اندر اور پیدا کرلیں۔ تو یہ کیا مشکل ہے۔ کہ ایک طرف مؤتمر کے ذریعہ سے ہم خدمت حجاز میں بھی لگے رہیں۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ دوسری طرف اپنے ملک میں اپنی تعلیمی۔ تنظیمی۔ معاشری۔ سیاسی۔ دینی ہر قسم کی کوششوں کو جاری رکھیں ہر ہر مقام پر لڑکوں کی صحیح تعلیم و تربیت کا انتظام کرتے رہیں۔ بے روزگاروں کو روزگار سے لگاتے رہیں۔ دکانیں کھلوائیں چرخہ اور کھدر کی ترویج کرتے رہیں

اپنے ہم قوموں کو مختلف حرفوں اور پیشوں کی جانب مائل کریں۔ شریفوں کے دماغ سے محنت اور چھوٹی قسم کی دوکانداری کی ذلیل سمجھنے کا خیال نکلوائیں۔ ہر ہر بستی کے مسلمانوں کی مردم شماری کرا کے معذوروں اور اپاہجوں کو مالی امداد دیتے رہیں اور کاہلوں کو کسی کام سے لگائیں۔ اس قسم کے تعمیری کام سینکڑوں کی تعداد میں ہندوستان کے اندر کرنے کے موجود ہیں۔ ملک کی آزادی کے لئے جدوجہد کرنا ان سب سے اہم ہے۔ ہندوستان کے ۳۲ کروڑ باشندوں کا ایک غلام کی حیثیت سے بسر کرتے رہنے کا واقعہ ہمیشہ تاریخ عالم کے نادر واقعات میں درج رہیگا لیکن اس سے بڑھ کر حیرت انگیز اور شرمناک یا داس واقعہ کی رہیگی کہ ان ۳۲ کروڑ میں سے ۷ کروڑ وہ نفوس بھی تھے جن کا دین و ایمان یہ تھا کہ (ان الحکم الا للہ) حکومت بجز خدا کے اور کسی کی نہیں جن کی کتاب مبین میں صاف صاف یہ ہدایت موجود تھی کہ (ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون۔ جو خدائی قانون کو چھوڑ کر کسی اور قانون کو مانتے اور اس کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں۔ وہ کافر ہو جاتے ہیں۔ اور جنھیں شروع سے بتا دیا جاتا تھا۔ کہ (ومن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی لا انفصام لھا) اللہ کی رسی کو مضبوط تھامنے کے لئے اللہ سے اپنا ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑنے کے لئے لازمی ہے۔ کہ خدا پر ایمان رکھنے کے ساتھ غیر خدائی حکومتوں سے سرکشی۔ طاغوتی سلطنتوں سے بغاوت اور شیطانی قوتوں سے یکسر بیزاری اختیار کر لی جائے۔

ملک میں آج بہت سی انجمنیں۔ مفید مقاصد اغراض کے ساتھ قائم ہیں جمعیت خلافت ان میں سے کسی کی بھی رقیب حریف نہیں۔ وہ نہ صرف مسلمانوں کی غیر مسلموں کی بھی ہر مفید و کارگذار انجمن کی جانب اتحاد و اشتراک کا ہاتھ بڑھانے کے لئے ہر وقت تیار رہے۔

عبرت کا مقام ہے۔ کہ وہ مسلم جو دنیا میں دوسروں کی رہنمائی اور رہبری کے لئے آیا تھا جس کا مقصد آفرینش یہ تھا۔ کہ بھٹکی ہوئی دنیا کو اپنی روشنی میں چلائے۔ آج وہ اس کو غنیمت سمجھ رہا ہے۔ کہ دوسروں کے دوش بدوش کام کر سکے اسے تو وہ بصارت و بصیرت عنایت کی گئی تھی۔ کہ وہ دنیا کو راہ دکھائے۔ آج وہ خود دوسروں کی ٹمٹماتی ہوئی روشنی کا سہارا ڈھونڈ رہا ہے۔ کاش آج آزادی کی جنگ نیز اپنی قوم کی شیرازہ بندی میں ہم دوسروں کے لئے چراغ ہدایت ہوں۔

لیکن یہ ساری تعمیری و تخریبی۔ ملکی و سیاسی۔ تعلیمی و تنظیمی کوششیں اسی وقت اور صرف اسی وقت بار آور ہو سکتی ہیں۔ جب پہلے ہم خود شخصاً و جماعۃً مسلمان بن جائیں نماز باجماعت۔ جو ہمارے تمام امراض کا علاج وحید تھی۔ اس کی طرف سے ہم یکسر غافل و بے پرواہ ہیں۔ اور پھر چاہتے یہ ہیں۔ کہ کسی طرح ہماری بگڑی بن جاوے۔ قرآن پاک میں ایک جگہ مصلحین کا ذکر ہے۔ اور وہاں عملی میں ان کی شناخت ارشاد ہوتی ہے۔ (والذین یمسکون بالکتب واقاموا الصلوۃ الا یضیع اجر المصلحین) کہ وہ نماز باجماعت پابندی سے ادا کرتے ہیں۔ وقت نہیں ہے۔ ورنہ نماز جماعت کے فضائل و مصالح قومی و اجتماعی نقطہ نظر سے ذرا تفصیل کے ساتھ عرض کئے جاتے ہیں۔ باقی اگر ذاتی رائے دریافت کی جائے۔ تو جی یہ چاہتا ہے۔ کہ خلافت کمیٹی کی ممبری کی شرط ہی نماز باجماعت رکھ دیجائے یعنی آئندہ سے ارکان صرف وہی مسلمان ہو سکیں۔ جو نماز باجماعت کے پابند ہوں آج سینکڑوں سکیمیں و تجویزیں قوم کے سامنے پیش ہیں۔ لیکن اگر آج سے ہر مسلمان مرد نماز باجماعت کا عہد کرے۔ اور ہر مسلمان عورت چرخہ کو اپنے لئے لازمی سمجھ لے۔ اور کم از کم تجربہ ہی کے طور پر اس پر عمل رہے۔ تو خدائے قادر و توانا کے فضل و کرم سے اعتماد کر کے دعوے کے ساتھ عرض کرتا ہوں۔ کہ دو برس کی مدت میں اسلامی ہند کی کایا کی کایا پلٹ سکتی ہے۔ یہ نماز باجماعت ہی ہمارے دلوں میں وہ اتحاد پیدا کر سکتی ہے جس کے

فقدان نے آج ہر قسم کی ابتری اور بدنظمی پیدا کر رکھی ہے۔ اور جس کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ ہر جزئی اختلاف رائے وعقیدہ ایک مہتم بالشان مخالفت بنجاتا ہے۔

کام کرنے والوں کی کثرت وفراوانی پہلے بھی نہ تھی۔ لیکن اب تو یکسر قحط ہو گیا ہے۔ کام اپنی جگہ پر بدستور۔ لیکن کام کرنیوالے عنقا ہر شخص دوسرے پر معترض۔ ہر فریق دوسرے پر بدگمان جو بچے کھچے اللہ کے بندے ابھی تک کام میں لگے ہوئے ہیں۔ خدا ان کی ہمت میں برکت وترقی دے۔ بڑے سے بڑے کام ہمیشہ قلیل ومختصر سی جماعتوں نے انجام دیئے ہیں۔ تعداد کی کثرت اور سامان کی زیادتی۔ خدا سے اعتماد ہٹا کر تعداد وسامان پر کر دیتی ہے اسی لئے اکثر اس کا انجام ناکامی پر ہوا ہے۔ میدان بدر میں تین سو مومنین صادقین نے اس فوج پر فتح پائی۔ جو تعداد میں ان کی تین گنی اور سامان جنگ کے لحاظ سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھی۔ ایران اور روما اپنے زمانہ کی متمدن ترین اور زبردست ترین سلطنتیں تھیں مسلمانوں نے جب انہیں فتح کیا ہے۔ تو اپنی تعداد۔ سامان جنگ۔ قواعد دانی۔ کسی اعتبار سے بھی ان کے ہمسر نہ تھے۔ صرف قوت میں ان سے بڑھے ہوئے تھے۔ آپ بھی اپنے دل میں یہی قوت ایمانی پیدا کر کے دیکھئے۔ اور پھر ہمیشہ کے لئے دوسروں کی کثرت تعداد وغیرہ کے خوف سے امن میں ہو جائیگا۔ حضرت جوہر جو یہیں آپ کے سامنے تشریف فرما ہیں۔ انہوں نے خوب فرمایا ہے۔

تو طیر ابابیل سے ہرگز نہیں کمزور
بیچارگی پر اپنی نہ جا۔ شان خدا دیکھ

جس خدائے قدوس وتوانا نے ایک مشت پر میں یہ قوت دیدی تھی۔ کہ وہ ایک زبردست بادشاہ کی زبردست فوج کو دم میں ملیا میٹ کر دے۔ کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ آج ہم ناتوانوں اور بیکسوں کے ذریعہ سے اپنے بڑے سے بڑے کام لے۔ اور دنیا کی بڑی بڑی گردن کش قوموں کا غرور ہمارے ہی دست ناتواں سے نیچا کرا کے چھوڑے۔

محترم بزرگو! اس طویل سمع خراشی کو ختم کر کے اب آپ سے ان کوتاہیوں اور فرد

گذاشتوں کے لئے جو مہمانداری کے سلسلہ میں یقیناً ہوئی ہیں۔ آپ ہی کے الطاف کریمانہ کو آپ کے سامنے شفیع بناتا ہوں۔ اپنی ذات کے متعلق مجھے یہ عرض کرنیکی اجازت دیجئے۔ کہ آپ حضرات کی خدمتگذاری کی سرے سے اہلیت وصلاحیت ہی مجھ میں نہیں تھی۔ اور نہ ہے۔ زمانہ کی نیرنگی اور عبرت اندوزی کا یہ بھی ایک نمونہ ہے۔ کہ مجلس استقبالیہ کی صدارت جیسی اہم وجلیل القدر خدمت کے لئے قرعۂ انتخاب مجھ سے نااہل شخص پر پڑا۔ آج جو کچھ بھی آپ دیکھتے ہیں۔ یہ سب دفتر مرکزی کے کارکنوں اور مجلس استقبالی کے بعض مستعد کارگذاروں کی محنت وسعی کا نتیجہ ہے۔

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب

اے دلوں کے پھیر دینے والے پروردگار تو نے عرب کے شدید کینہ پرور و نفاق پسند سینوں میں ایمان کی حلاوت اور دین کی لذت ڈال کر سب کو ایک کر دیا تھا۔ تو نے اوس وخزرج کی لڑائیوں کی آگ کو جو پشتہا پشت سے بھڑکتی چلی آرہی تھی محبت اسلام کے پانی سے دم کے دم میں فرو کر دیا تھا۔ تو آج بھی وہی ہے۔ جو سدا سے تھا۔ آج اپنے نام کا کلمہ پڑھنے والوں کو توفیق دے۔ کہ خلوص ومحبت کے ساتھ ایک دوسرے سے مل کر تیرے دین کی خدمت پر آمادہ ہو جائیں۔ ان کے سینوں کو نفاق سے پاک کر دے۔ اور ان کے دماغوں اور عقلوں سے طاغوتی حکومتوں کی مرعوبیت اور ہیبت دور کر دے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

شجرۃ الرضوان

حضرت عمر فاروق پر ایک ناپاک اتہام کی تردید

(از قلم مولانا قاری شاہ محمد جعفر صاحب پھلواری)

یہ وہ مبارک درخت تھا جس کے نیچے بیٹھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ سو مسلمانوں سے جانبازی کی بیعت لی تھی۔ اور اس بیعت کی۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ کو ایسی پسند آئی کہ ارشاد ہوا۔ رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ اور اسی رضائے الٰہی کے وجہ سے اس کیکر کے درخت کا نام ہی شجرۃ الرضوان ہو گیا۔ یہ واقعہ سنہ ۶ھ کا تھا۔

یہ درخت کب تک رہا اور پھر کیا ہو گیا

اس کی تحقیق یوں ہے۔ کہ صحیح بخاری اصح الکتب بعد کتاب اللہ الباری ہے اس میں باسناد صحیح حضرت عبداللہ بن عمر ابن الخطاب اور حضرت مسیب قرشی صحابی سے مروی ہے۔ کہ واقعہ بیعت کے بعد دوسرے ہی سال ہم لوگوں میں سے کسی نے اس درخت کو نہ پایا۔ اور ہم سے گم کر دیا گیا۔

(دیکھو صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۴۱۵)

حدثنا موسیٰ بن اسمٰعیل ثنا جویریۃ عن نافع قال قال ابن عمر رجعنا من العام المقبل فما اجتمع منا اثنان علی

یعنی نافع کہتے ہیں۔ کہ عبداللہ بن عمر نے فرمایا کہ آئندہ سال اس واقعہ بیعت کے ہم لوگ اس مقام (حدیبیہ) پر پہونچے۔ تو دو آدمی

الشجرۃ التی بایعنا تحتھا کانت رحمۃ — بھی اس درخت کی شناخت پر متفق نہ ہو سکے۔ وہ ایک رحمت تھا۔

(اور دیکھو جلد ۲ صفحہ ۵۹۹)

قال سعید بن المسیب عن ابیہ فلما خرجنا من العام المقبل نسینا حافلم نقدر علیھا — یعنی حضرت مسیب بن حزن صحابی فرماتے ہیں۔ کہ آئندہ سال جب ہم لوگ اس مقام پر پہونچے تو سب کے سب اس درخت کو بھول گئے کسی کو بھی اسکے بتانے پر قدرت نہیں رہی

یہ روایت طارق بن عبد الرحمن عن سعید بن المسیب ہے۔ اور دوسری روایت شعبہ عن قتادہ عن سعید بن المسیب یوں ہے۔

قال لقد رایت الشجرۃ ثم اتیتھا بعد فلم اعرفھا قال محمود ثم انسیتھا بعد — یعنی حضرت مسیب بن فرماتے ہیں کہ میں نے اس درخت کو دیکھا۔ پھر بعد کو جب آیا تو اس کو نہ پایا۔ محمود بن غیلان کہتے ہیں (کہ پھر وہ درخت بھولا دیا گیا مجھ سے)

تھوڑے دنوں بعد لوگوں نے اس مقام پر مسجد بنالی۔ اور وہاں نماز پڑھنے لگے حضرت سعید بن المسیب کو جب خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا۔

ان اصحاب محمد صلعم لم یعلموھا و علمتموھا انتم فانتم اعلم — یعنی اصحاب رسول اللہ صلعم نے تو اس درخت کو جانا ہی نہیں اور تم نے جان لیا تو ان سے زیادہ علم والے تم ہی ہو۔

اب ان روایتوں پر غور کرنا چاہیئے۔ کہ عدم عرفان شجرہ اور اس کو بھی بھول جانا اور نظروں سے گم ہو جانا یہ فقط عبد اللہ بن عمر و مسیب بن حزن کے لئے خاص تھا یا عموماً صحابہ کرام کی نظروں سے وہ درخت گم ہو گیا تھا۔ الفاظ حدیث عبد اللہ بن عمر و مسیب

جمع کا استعمال عموم کو بتاتا ہے۔ اور سعید بن المسیب کی تصریح اصحاب محمدؐ سے عیاں ہے۔ کہ یہ جمع مضاف بقاعدہ معانی واصول مفید استغراق ہے۔

پس حاصل ان روایتوں کا یہ ہوا کہ عموماً اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں سے یہ درخت علی سبیل التعین غائب ہو گیا۔

صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ وہ فرماتے ہیں۔

لو کنت ابصر الیوم لاریتکم مکان الشجرۃ — اگر مجھے بینائی ہوتی۔ تو میں اس درخت کی جگہ کو بتا دیتا۔

حضرت جابر انصاری نے عمر زیادہ پائی تھی۔ اور آخر عمر میں ان کی بصارت جاتی رہی تھی اور ۷۴ھ میں رحلت فرمائی۔

اس روایت سے حافظ بن حجر کو یہ شبہ ہو گیا۔ کہ درخت عموماً نظروں سے گم ہو گیا تھا۔ بلکہ حضرت جابر اس کو پہچانتے تھے۔ مگر یہ محض احتمال رکیک ہے اس لئے کہ حضرت جابر نے مکان الشجرۃ فرمایا نہ بعینہ الشجرۃ فرمایا اور ظاہر ہے کہ اصل درخت کی شناخت اور ہے۔ اور جس جگہ وہ درخت تھا۔ اس کی پہچان اور ہے۔

پس حضرت مسیب و عبداللہ بن عمر اور حضرت جابر کی روایتوں میں کسی قسم کا تعارض نہیں ہے۔

اور یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے۔ کہ اگر تعارض ہوتا بھی تو حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت کو ہر صورت ترجیح و تقدیم ہوتی۔ اس لئے کہ آثار رسول صلعم کے وہ بہت جویاں تھے۔ اور ان مقامات کی حضوری سے وہ برکت حاصل کرتے تھے۔ خاتمہ کتب رجال و شروح موطا میں ہے۔

وعن نافع انہ کان یتبع آثار النبی صلعم — یعنی نافع کہتے ہیں۔ کہ عبداللہ بن عمر حضرت

حتی انه صار ینزل تحت الشجرة — کے آثار جو یاں رہتے تھے یہاں تک کہ حضورؐ اگر
فکان عبد اللہ یتعاھد تلک الشجرة — کسی درخت کے نیچے فروکش ہوئے تھے۔ تو عبداللہ
بن عمرؓ اسے بھی یاد کرکے وہاں جا بیٹھتے

عموماً اس درخت کا بعینہ استتار و خفا جیسا کہ عبارت النص سے میں نے بیان کیا ہے۔ اسی طرح کرمانی نے کواکب الدراری میں اور عینی محدث نے عمدۃ القاری میں اور ملا نور الحق نے تیسیر القاری میں ذکر کیا ہے۔ دیکھو عمدۃ القاری جلد ۸ صفحہ (۲۸۴)

قولہ فغیبت علینا استوت وخفیت — یعنی وہ درخت چھپ گیا اور مخفی ہو گیا تاکہ
وکان سبب خفائھا ان لا یفتن الناس — لوگ فتنہ میں نہ پڑیں۔

اور حضرت شیخ نور الحق حدیث جابرؓ کی شرح میں فرماتے ہیں۔ ظاہر میشود کہ ہمدرا نوقت آن درخت نماندہ بود

یعنی مقام الشجرہ سے یہ بات ظاہر ہے۔ کہ اس وقت اصل درخت باقی نہ تھا۔ اور مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فتاویٰ میں ایسا ہی فرمایا۔ اور حافظ ابن حجر کی اس رکیک توجیہہ پر نہایت ہی تعجب فرمایا۔

کیا شجرۂ رضوان کو حضرت عمرؓ نے کٹوا دیا

یہ ایک بالکل بے سروپا فسانہ ہے۔ اولاً اس لئے کہ یہ بخاری کی روایت صحیح کے خلاف ہے۔ اس سے تو اس کا اختفاء و استتار ثابت ہے۔ جیسا کہ پہلے محقق ہو چکا پھر قطع و برید کے کیا معنی ہونگے۔

ثانیاً اگر حضرت جابرؓ کے قول کے وہ معنی لیں۔ جو حافظ ابن حجر نے فرمایا۔ کہ ان کی آخر عمر نابینائی تک وہ درخت بعینہ باقی تھا۔ یعنی ۷۴ھ کے لگ بھگ تک جب بھی قطع و برید محال ہے۔ اس لئے کہ حضرت عمرؓ کا انتقال ۲۳ھ میں ہے۔

ثالثاً جس نے اس حکایت کو پیش کیا ہے۔ وہ طبقات ابن سعد سے پیش کیا ہے۔ اور طبقات ابن سعد میں چند طریقہ سے حضرت سعید بن المسیب کی روایت کو درج کرکے آخر باب میں اس قطع و برید کے فسانہ کو نقل کیا ہے۔ دیکھو طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ (۷۲۱)

اخبرنا عبد الوهاب بن عطا ثنا عبد الله بن عوف عن نافع قال كان الناس ياتون الشجرة التي بقال لها شجرة الرضوان فيصلون عندها قال فبلغ ذلك عمر ابن الخطاب فاوعدهم فيها وامر بها فقطعت	یعنی نافع نے کہا کہ لوگوں نے شجرۃ الرضوان کے پاس آخر نماز پڑھنی شروع کی حضرت عمر کو جب معلوم ہوا۔ تو پہلے ان کو ڈرایا۔ پھر ان کے حکم سے وہ درخت کاٹ دیا گیا۔

یہ اثر بقاعدہ محدثین منقطع ہے۔ جو قابل اعتماد استناد نہیں ہوتا۔ انقطاع اس وجہ سے ہے۔ کہ نافع نے حضرت کا زمانہ نہیں پایا۔ نہ ان سے لقا نہ ان سے روایت ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یوں ہے۔ کہ نافع حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے غلام ہیں حضرت موصوف نے غزوہ وسلم یا کابل یا طالقان میں پایا تھا۔ اور غزوہ حضرت عمر کے زمانہ کے بہت بعد ہے۔ نافع نے عمر بہت پائی۔ ۱۲۰ھ ہجری میں ان کی وفات ہے تیس برس یہ اپنے مولا کے خدمت گذار رہے۔ اور مولائے موصوف نے ۷۳ھ میں رحلت کی۔ تذکرۃ الحافظ جلد اول صفحہ ۸۸۔

یہ اپنے مولا حضرت عبد اللہ بن عمر ابو ہریرہ۔ ابو لبابہ رافع بن خدیج و عائشہ و ام سلمہ و ابو سعید خدری وغیرہم صحابہ سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت عمر کا زمانہ ہی نہیں پایا۔ پھر ان سے روایت بلا واسطہ کیا معنی دیکھو تاریخ صغیر بخاری و طبقات ابن سعد و تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۱۲ و تقریب و عامہ کتب

رجال و تاریخ بن خلکان وغیرہا

موطا امام مالک میں شروع باب کی چند حدیثوں کے بعد یہ روایت ہے۔
مالک عن نافع ان عمر بن الخطاب کتب الخ

شراح موطا امام مالک وہاں پر لکھتے ہیں۔ ان الحدیث منقطع فان نافعاً لم یدرک عمر یعنی یہ حدیث منقطع ہے۔ اس لئے کہ نافع نے حضرت عمر کا زمانہ نہیں پایا۔ دیکھو شرح موطا شیخ سلام اللہ حنفی قلمی اور دیکھو شرح زرقانی جلد ۱ صفحہ ۲۱ مطبوعہ مصر

جب روایت کی حقیقت معلوم ہوگئی۔ اور اس کا بے سروپا ہونا ثابت ہوگیا۔ تو پاسداران نجدیہ کی دیانت کا حال بھی آشکارا ہوگیا۔ کہ یہ حضرات درحقیقت اہل حدیث نہیں۔ یہ لوگ اپنے عقیدہ مخترعہ کے ثابت کرنے کے لئے رطب دیا۔ یبس کی بھی تمیز نہیں کرتے۔ ایک طرف تو یہ دعویٰ کہ آثار صحابہ حجت نہیں۔ اور اس کو مذہب المحدیث قرار دیا جاتا ہے۔ اور دوسری طرف آثار رسول کے مٹانے کے لئے بے سروپا اثر صحابی سے استدلال کیا جاتا ہے۔ ہم لوگ توسل و استمداد کے مسئلہ میں اگر غیر صحاح ستہ کی کوئی حدیث حسن صحیح بھی پیش کرتے ہیں۔ تو میزان الاعتدال ذہبی اور تقریب ابن حجر کی ورق گردانی کی جاتی ہے۔ اور جرح مبہم بھی جائز قرار دیکر وہ حدیث موضوع یا ضعیف بتلائی جاتی ہے۔ مگر آثار نبویہ اور تبرک کے ابطال کے لئے یہ ابن سعد کا اثر ضعیف و مقطوع قطعی الدولہ والثبوت بنایا جاتا ہے۔ نافع سے یہ اثر پیش کیا جاتا ہے۔ حالانکہ صحیح بخاری میں نافع اس کے خلاف اپنے مولا عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں۔ بخاری کے رواۃ موسیٰ بن اسمٰعیل وجویریہ عامہ ارباب جرح و تعدیل کے نزدیک ثبت ثقہ ہیں۔ اور ابن سعد کی ایک روایت میں عبدالوہاب بن

عطا ہیں۔ جن کو بخاری فرماتے ہیں۔ لیس بقوی اور تہذیب التہذیب میں ہے۔ عبد الوہاب لیس عندھم بقوی جلد ۶ صفحہ ۵۵۱ اور تقریب التہذیب میں حافظ ابن حجر نے فرمایا صدوق ربما اخطا۔ یعنی عبد الوہاب صدوق تو ہیں لیکن اکثر غلطی کرتے ہیں۔ صفحہ ۲۴۱۔

یہی وجوہات ہیں۔ کہ امام بخاری نے ان سے کوئی روایت نہ کی۔ اور نہ مسلم نے ادھر توجہ کی۔

اب سمجھ لینا چاہیے کہ کجا امام محمد بخاری۔ اور کجا کاتب اقدس شان بینہما

ملاحدہ و جہال حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے وسیع الخیال و حکیم امت کی پست خیالی ثابت کرنیکے لئے اس قسم کی باتیں اس جناب کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ کہ وہ آثار قدیمہ و اہم بالشان یادگاروں کو مٹاتے تھے کتب خانہ اسکندریہ جلا کر خاک سیاہ کیا اور متبرک آثار رسول کو کاٹ چھانٹ کر مٹا دیا۔ ذلک بہتان عظیم اور بہتیرے اہل علم ارباب تعصب بھی اس فریب کے جال میں پھنس گئے اگر وہ درائت سے کام لیتے۔ تو اس شکنجہ سے نکل جاتی۔ خدا تعصب کا برا کرے ابن عبد الوہاب امام فرقہ نجدیہ بھی اسی پستی کے جال میں پڑے ہیں۔ جب ان کو مسلمانوں نے کتبخانہ جلانیکا الزام دیا۔ تو اپنی برات یوں کرتے ہیں۔ کہ میں سب کتابیں نہیں جلاتا بلکہ بعض کتابوں کو تلف کرتا ہوں۔ کہ جس کے پڑھنے سے لوگوں میں شرک پھیلتا ہے۔ مثل روض الریاحین اور علم منطق کی کتابیں برباد کرتا ہوں۔ (کتب خانہ علمائے فرنگی محل) کہ اس سے عقائد میں خلل واقع ہوتا ہے دیکھو مجموعۃ الرسائل نجدی حال کا رسالہ ثالثہ محمد عبد الوہاب صفحہ ۴۲

اللہ اللہ یہ کتاب روض الریاحین حضرت امام عبد اللہ یافعی کی تالیف ہے جو اسلامی دنیا کے بڑے مورخ و محدث صوفی مشہور آفاق ہیں کی کتاب مرآۃ الجنان بمثل کتاب شمار کی جاتی ہے اور حضرت موصوف کے مداح حافظ ابن حجر و سخاوی و علامہ محدثین ہیں۔ روض الریاحین کا تذکرہ کشف الظنون وغیرہ میں موجود ہے ایسی مقدس کتاب کو شرک پھیلانے والی کتاب کہنا بجز

جہالت اور دریدہ دہنی کے اور کیا ہے۔ اور علم منطق کو مخل اسلام بتانا یہ بھی نجدی جہالت ہے۔ ان کے مورث اعلیٰ ابن تیمیہ نے تو ایک کتاب رد المنطق بھی لکھی تھی۔ جو اصحو کہ طفلان ہے اور اہل علم نے تو ادھر توجہ بھی نہ کی جب اس سے کام نہ چلا۔ تو انکے مقلدین نے اس کے جلانے اور برباد کرنے کا حکم دیا۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

اب اس ترقی دنیا اور عالم تعلیم میں ایسی دشمنان علم و تہذیب کی حکومت کو کوئی عاقل پسند کر سکتا ہے۔ لا واللہ

بتعصب و عناد کا خدا برا کرے آثار قدیمہ کی حفاظت کا مسئلہ اس زمانہ میں مسلم الثبوت ہو گیا ہے اور ناموران ملک و ملت کا اسٹیچو نصب کیا جاتا ہے۔ اور اس کے نصب کرنے میں مسلمان لیڈران بھی فراخدلی سے شرکت کرتے ہیں اور تصویر کے جواز پر رسالہ لکھا جاتا ہے۔ مگر ذریات نجدیہ جب آثار انبیاء و سلف صالحین کو مسمار و برباد کرتے ہیں۔ تو اسکو سنت فاروقی و مشرب شافعی و مسلک حنبلی بنا کر اس فعل کو مستحسن اور اس کے مرتکب کو بت شکن اور غازی کا لقب دیا جاتا ہے۔

بہ بیں تفاوت رہ کجاست تا بکجا طرفہ یہ ہے کہ چودھویں صدی کے مورخین محمود گرجاؤں کے توڑ پھوڑ کو نادانستہ قرار دیتے ہیں۔ مگر آثار رسول اور سلف صالحین کے مقابر و مشاہد و قباب و مساجد کے مسمار کرنیکو اہم فرائض اسلامی کہتے ہیں۔ **میاوہ من یتصفا**

خیر یہ جو کچھ چاہیں کریں۔ اذ کہیں۔ مگر خدارا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دامن عدل پر دھبہ نہ لگائیں۔

حاشا و کلا اس جناب نے کبھی آثار رسول کو نہ مٹایا اور نہ شجرۃ الرضوان کو کٹوایا اور نہ اصلی مقدس مقاموں میں نماز پڑھنے سے منع کیا ہے سب ملاحدہ نجدیہ کے افترا آت ہیں۔

حضرت عمر آثار انبیاء کی ایسی قدر و منزلت کرتے تھے۔ کہ مقام ابراہیم جہاں حضرت ابراہیم کے قدم مبارک کے نشان تھے۔ اسکو مصلے بنانے کی تمنا کرتے تھے۔ اور خدا نے یہ آرزو انکی پوری کی۔ اور واتخذوا من مقام ابراھیم مصلے کا حکم نازل ہوا۔ دیکھو صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۴۴ و جلد ۱ صفحہ ۵۸ قلت یا رسول اللہ لو اتخذت من مقام ابراھیم مصلے فنزلت کرمانی شارح بخاری کواکب الدراری میں کہتے ہیں۔ قال الخطابی سال عمر رسول اللہ صلعم ان یجعل ذلک الحجر الذی فیہ اثر مقامہ بین یدی القبلۃ یقوم الامام عندہ فنزلت الآیۃ

خیال کرنے کی جا ہے۔ جو حضرت ابراہیم کے مقام کی یوں عزت کرے۔ وہ مقام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیونکر برباد کر سکتا ہے۔

بت پرستی کا خوف تو مقام ابراہیم میں بہت زیادہ تھا کیونکہ اس کے پوجنے والے وہاں بہت باقی تھے۔ اور ابھی اسلام بالکل تازہ تھا بخلاف زمانہ فاروقی کے کہ اس زمانہ میں حدیث الاسلام قدیم ہو چکے تھے ہر جگہ توحید کا علم بلند ہو چکا تھا۔ اور بموجب فرمان رسول صلعم شیطان اپنی پرستش سے مایوس ہو گیا تھا۔ وہاں بت پرستی کا کیا کھٹکا تھا۔

حضرت عمر رسول اللہ صلعم کی یادگار کے ایسے قدرداں تھے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طواف کعبہ میں رمل کیا تھا تاکہ مشرکین قوت اسلامی کو دیکھ لیں اور مسلمانوں کو ضعیف و کمزور نہ سمجھیں۔ پھر حضرت اپنے زمانہ خلافت میں فرماتے ہیں۔ کہ اب تو اس کی ضرورت ہی نہ رہی یہاں مشرکین ہیں نہ مخالفین لیکن یہ ہمارے حضور کا فعل ہے ہم تو اسے نہ چھوڑیں گے۔ دیکھو صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۸۸ بے ضرورت شے کو قائم رکھنا فقط آثار رسول اللہ صلعم کی قدردانی تھی۔

پس ایسے بزرگ کو شجرۃ الرضوان کا قاطع بتانا قطعی بہتان و افترا ہے! اور ایسے آستانہ پر مسجد بنانا اور وہاں نماز پڑھنا اگر حضرت فاروق کے نزدیک ناجائز اور موہم شرک تھا۔ تو سب سے پہلے اپنے فرزند عبداللہ کو تنبیہ کرتے جن سے بروایت صحیحہ یہ باتیں ثابت ہیں۔

ہاں سنا دے محفل ملت کو پیغام سروش

خلافت کانفرنس لکھنؤ کے پہلے اجلاس کا آغاز زنانہ عام ہال میں تلاوت کلام پاک سے شروع ہوا۔ تلاوت کلام پاک کے بعد مولوی عبدالحفیظ صاحب قدوائی مطرب بھسولی ضلع بارہ بنکی نے حسب ذیل نظم نہایت خوش الحانی کے ساتھ پڑھی

مژدہ اے پیمانہ بردار خمستان حجاز — بعد مدت کے ترے رندوں کو پھر آیا ہے ہوش
نقد خودداری بہائے بادۂ اغیار تھی — پھر دوکاں تیری ہے لبریز صلائے نائے و نوش
ٹوٹنے کو ہے طلسم ماہ سیمایان ہند — پھر سلیمی کی نظر دیتی ہے پیغام خروش
پھر یہ غوغا ہے کہ لا ساقی شراب خانہ ساز — دل کے ہنگامے مئے مغرب نے کر ڈالے خموش
نغمہ پیرا ہو کہ یہ ہنگام خاموشی نہیں — ہے سحر کا آسماں خورشید سے مینا بدوش
درد غم دیگر بسوز و دیگراں را ہم بسوز — گفتمت روشن حدیثے گر توانی دار گوش
کہہ گئے ہیں شاعری جزویست از پیغمبری — ہاں سنا دے محفل ملت کو پیغام سروش
آنکھ کو بیدار کر دے وعدۂ دیدار سے — زندہ کر دے دل کو سوز جوہر گفتار سے

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش — اور ظلمت نور کی سیماب پا ہو جائے گی
اسقدر ہوگی ترنم آفریں باد بہار — نکہت خوابیدۂ غنچہ کی نوا ہو جائے گی
آملیں گے سینہ چاکان چمن سے سینہ چاک — بزم گل کی ہمنفس باد صبا ہو جائے گی
شبنم افشانی میری پیدا کرے گی سوز و ساز — اس چمن کی ہر کلی درد آشنا ہو جائے گی
دیکھ لے گی سطوت رفتار دریا کا مآل — موج مضطر ہی اسے زنجیر پا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آجائیگا پیمان سجود — پھر جبیں خاک حرم سے آشنا ہو جائے گی

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائیگی
شب گریزاں ہوگی آخر جلوہ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمہ توحید سے

نمودِ شام

(از جناب خان احمد حسین صاحب مدیر شباب اردو لاہور)

نمودِ شام ہے اے ساکنانِ روئے زمیں کسی کے واسطے دوزخ کسی کو خلد بریں
کہیں خیام شبستانِ شادمانی ہے کہیں یہ مجلسِ آفاتِ آسمانی ہے
کہیں ہے گیسوئے لیلائے محملِ راحت کہیں ہے موئے سرِ غول بیشۂ وحشت
کہیں ہے بقعۂ امید گلستانِ احساس کہیں ہے کلبۂ احزان بیم و یاس و ہراس
ہمائے اوجِ مسرت کا آشیاں ہے کہیں تو جل کے بجھتی چتاؤں کا دھواں ہے کہیں
بجائے مہرِ مسرت کی اسکو لاکھ کہیں ؎ رو ہے منقلِ عسرت کی اسکو راکھ کہیں
پلنگ پہ پھول کسی کے لئے بچھاتی ہے کسی کو خارِ مغیلاں پہ یہ سلاتی ہے

غرض کہیں یہ سواد دیارِ عشرت ہے ؎
کہیں حباب سرِ قلزمِ مصیبت ہے

بھبھوت جسم پہ جب مل کے سانولی آئی تو آفتاب کے چہرہ پہ مردنی چھائی
زوالِ حسن سے رنگت ہوئی کپاسی ہے غمِ رحیل ہے حسرت ہے اور اداسی ہے
ترے جنازے کی اے آفتاب ذرّہ نواز شفق کا نے کے مصلے پڑھائیگی یہ نماز
ترے اوج مہر کو گل کر کے دھر دیا اس نے سنہری طاس سیاہی سے بھر دیا اس نے

سیاہی چھائی ہے شہروں مرغزاروں میں سمندر اور پہاڑ اور آبشاروں میں
خموشی بستی ہے کھیتوں میں گلہ بانوں میں گلوں میں پتوں میں شاخوں میں آشیانوں میں
شہید تیغ وفا جاں گداز پروانے جہان عشق میں بدمست اور دیوانے
متاع صبر و تحمل لٹانے آئیں گے
لگا کے آگ مجھے رات بھر جلائیں گے

جدید افغانستان کا ایک دلچسپ نظارہ

قانونی مساوات

کون ہے! ٹھہر جاؤ!

یہ تحکمانہ الفاظ ایک افغانی سنتری کی زبان سے نکلے۔ اور اس کی تیز آواز نے رات کے بڑھتے ہوئے سناٹے میں گونج کر مجھے دفعتاً آگے بڑھنے سے روک دیا۔ میں یکجا ہکا بکا سا کھڑا ہو گیا۔ جہاں قدیم و جدید کابل کے درمیانی پل پر میں سرگرم رفتار تھا۔ ہوا بڑھ رہی تھی۔ اور چاند ابر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں آنکھ مچولی کھیل رہا تھا۔ سنتری نے میرے پاس آکر مجھے بے تکلف گرفتار کر لیا۔ اور کہا دس بجے رات کے بعد راستہ چلنے کے جرم میں صبح تک آپکو حراست میں رہنا ہو گا۔ میں حیرت زدہ ہو کر اس کا مطمئن چہرہ دیکھ ہی رہا تھا۔ کہ اس نے اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ کیا اور مجھے ایک نزدیک کی پولیس چوکی میں لیجا کر حوالات میں داخل کر دیا۔ میں سوچنے لگا کہ واہ ری قسمت کہاں چلا تھا۔ اور کہاں آ پھنسا۔ چوکی میں داخل ہو کر یہ خبر ملی کہ اگر مقامی ٹیلیفون کا سلسلہ اور وسیع انتظام

زیادہ بہتر ہوتا۔ تو حسب قانون میرے گھر سے کوئی رشتہ دار بلایا جاتا اور ضمانت کے بعد مجھے رہا کر دیا جاتا۔ مگر اس وقت اس کا موقع نہ تھا۔ میں نے خیال کیا کہ اب کرنا ہی کیا ہے۔ ان کٹکٹے جاڑوں میں باہر کی سرد ہوا سے تو اپنے مجلس کی گرمی ہی بہتر ہے اسی عافیت کو غنیمت جان کر بیٹھ گیا۔ اور اس کمرے کے سکون افزا امن اور آرام دہ حرارت سے بہرہ اندوز ہونے کے لئے لیٹنے کا تہیہ کر ہی رہا تھا۔ کہ اس کے ایک گوشہ میں ایک دوسرا شخص بیٹھا ہوا دکھائی دیا۔ یہ شخص جوان اور سپاہی منش تھا۔ اور اس کی چبھتی ہوئی نگاہیں میرے دل کی تہ تک سے رہی تھیں۔ میں سمجھا یہ حضرت میرے ہی طرح گرفتار ہوئے ہیں۔ چلو ایک اللہ خدائی بھی اسی سے بات چیت کر کے وقت گزارنا چاہئے میں نے بھی دعوت گفتگو دینے والی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ مگر اس نے آنکھیں نیچی کر کے گفتگو سے احتراز کیا۔ لیکن میں بلا ہو رہا تھا کہ اس سے باتیں کر ہی کے رہونگا۔ بے تکلف پوچھ بیٹھا۔ اسلام علیکم یا اخی۔ کیا اس کمرے میں آپ بہت دیر سے ہیں؟ اس سوال کا جواب صرف ایک تبسم سے دیکر وہ اس پولیس ملازم کی طرف دیکھنے لگا۔ جو اپنے مرکزی مقام کو ہم لوگوں کے بارے میں ٹیلیفون کر رہا تھا۔ مجھے اس کے اس غیر حوصلہ افزا برتاؤ سے تعجب اور دل ہی دل میں سوچنے لگا۔ کہ دیکھو تو یہ مردہ بھی میری ہی طرح اسیر قفس ہے۔ مگر لطف گفتگو کے تسلی بخش اثر سے محروم رہنا چاہتا ہے۔

(۲)

اسی خاموشی میں ایک گھنٹہ گزر گیا۔ اور باہر سے تیز ہوا کے تھپیڑوں اور بادل کے گرجنے کی آوازیں آنے لگیں۔ زنداں کا سکوت مجھے اور بھی ستانے لگا۔ اور جب صبر و تحمل کا یارا باقی نہ رہا۔ تو ہمت کر کے میں پھر اس شخص سے مخاطب ہوا۔ برادر من۔ مجھے امید ہے۔ کہ حوالات کے محافظ اپنی تحقیقات کے بعد ہمیں اور آپکو فوراً رہا کر دینگے۔

اس سوال پر میرے اس شخص نے اپنی زبان کھولنا مناسب سمجھا۔ اور میرا بھی یہی خیال ہے

مجھے تو بہت دور جانا ہے۔ اور اپنی جگہ پر پہنچ کر بہت سے کام کرنے ہیں۔

پھر اگر آپ کی قیام گاہ اتنی دور ہے اور آپ کو اتنا کچھ کرنا ہے۔ تو اتنی رات تک سڑکوں پر کیا کر رہے تھے

اس کا جواب تو یہی ہے کہ میں بھی آپ سے پوچھوں۔ کہ آپ خود کیا کر رہے تھے۔

میں اپنے ایک دوست سے ملنے قدیم شہر کابل کی طرف جا رہا تھا۔ شام کا سماں اچھا دیکھ کر میں پیدل ہی چل نکلا تھا۔ فاصلہ زیادہ تھا۔ وقت ہو گیا مگر میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ اگر ایک شخص رات کو دیر تک سڑکوں پر رہے تو آخر اس میں نقصان ہی کیا ہے۔ آجکل تو کوئی جنگ بھی درپیش نہیں۔ اور افغانستان جیسے ترقی کرنیوالے ملک کیلئے یہ تو یقیناً ناز یبا ہے۔ کہ ایک مطلق السان جابرانہ حکومت کی طرح دس بجے رات کے بعد باہر نکلنے والی رعایا کو گرفتار کر کے رات بھر حراست میں رکھ لیا کرے۔ ایسا قانون تو افغانی قوم کے افراد کیلئے نہایت ہتک آمیز اور ذلت رساں ہے۔

میری اس تقریر پر میرے ہم قفس نے پھر مسکرایا۔ اور اظہار دلچسپی کیساتھ پوچھا۔ کیا آپکو کبھی یورپ میں بھی رہنے کا اتفاق ہوا ہے۔

ہاں۔ میں نے وہاں خوب سیر و سیاحت کی ہے۔

یہی وجہ ہے۔ کہ آپکا ایسا خیال ہے۔ ابھی جو کچھ آپ نے کہا۔ وہ آپ کی اسی سیاحی کا نتیجہ ہے۔ مگر مغرب و مشرق کے حالات بالکل جداگانہ ہیں۔ کیا آپ نے کبھی لندن اور کابل معاشرتی زندگی کا مقابلہ بھی کیا ہے۔ میں خود تو کبھی اس ملک سے باہر نہیں گیا ہوں۔ مگر مجھے خوب معلوم ہے۔ کہ لندن اور کابل کی طرز معاشرت میں قطبین کا فاصلہ ہے۔ مراد من۔ کابل میں تو ہر شخص کو کاندھوں پر بندوق رکھے ہمہ دم مستعد و ہشیار رہنا ہے۔ گو افغانستان میں بھی ابھی کوئی جنگ نہیں۔ مگر اس کا خطرہ ہر وقت ہے کہ کب اندر سے بھی اور باہر سے بھی۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ ان چند گھنٹوں کے

لئے ہماری گرفتاری ہمارے کاموں میں ہارج ضرور ہے۔ اور اس وقت مجھے سخت تکلیف بھی ہو رہی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ یہ قاعدہ تحفظ عامہ کے لئے نہایت مفید ہے۔ کہ آپ کو خبر نہیں۔ کہ بے شمار سیاسی غداروں اور جاسوسوں کے علاوہ شاطر چور بھی ہمارے ہم وطن ہو کر کابل کی گلیوں میں گشت لگاتے پھرتے ہیں۔ اور اگر ان سے کوئی پوچھے کہ کدھر جا رہے۔ تو یہی کہیں گے۔ کہ اپنی دادی یا نانی سے ملاقات کرنے جا رہا ہوں۔

اس آخری جملہ پر مجھے ہنسی آنے لگی۔ مگر اس شخص کو سرگرم گفتگو دیکھ کر میں نے اس ہنسی کو ضبط کیا۔ اور اسکی تقریر جاری رہی۔

علاوہ بریں کیا یہ خود افغانوں کے لئے مفید نہیں۔ کہ رات کو سویرے جا کر بستروں پر آرام کریں۔ اور علی الصباح تر و تازہ اٹھ کر اپنے کاموں میں محنت و جانفشانی کے ساتھ مصروف ہو جائیں۔ اور اس طرح اپنی محبوب سرزمین کے عروج و ترقی میں مدد کریں۔ شب کے وقت ممالک مغربیہ کی یہ مہمل آزادی ہمارے کسی کام کی نہیں۔

اس پر اثر تقریر کو سن کر میں نہایت مسرور ہوا۔ اور میرے دل میں جوش و فخر کے خیالات ابھرنے لگے۔ میں ارادہ کر ہی رہا تھا کہ کسی شائستہ عنوان سے اسکا جواب دوں۔ کہ اتنے میں دو شخص کمرے میں داخل ہوئے۔ میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب میں نے دیکھا کہ ان میں ایک تو مقامی پولیس کا افسر اعلیٰ اور دوسرے حضور امیر افغانستان کے پرائیویٹ سکرٹری تھے۔ ان کو دیکھتے ہی ہمارے سب پہرہ دار مؤدب کھڑے ہو گئے۔

(۳)

پولیس کے افسر اعلیٰ نے ہاتھوں کو جوڑ کر میرے ہم قفس سے کہا "میں حضور

سے دست بستہ معافی چاہتا ہوں۔ مگر کیا کرنا۔ کہ ہوائیہ کے فساد نے ٹیلیفون کے سلسلہ کو خراب کر دیا تھا۔ اور مجھے اس وقت سے پہلے جہاں پناہ ظل سبحانی کی اس چوکی میں اسیری کا حال نہیں معلوم تھا۔

جہاں پناہ!! ظل سبحانی!! یہ کیا کہا!!! مجھے اپنی صحت سماعت میں شبہ ہو گیا کیا میں نے یہی الفاظ سنے تھے۔ کیا میں جس شخص کو اپنا سا ایک زندانی سمجھ کر اس سے شوخی اور بے تکلفی سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ دولت خداداد افغانستان کا مالک و فرمانروا تھا۔ کیا وہ بھی ایک معمولی اور ادنیٰ رعیت کی طرح ایک پولیس کی چوکی میں قید کیا جا سکتا تھا۔ مگر اب میرا استعجاب وصول تھا۔ ہاں یہی واقعہ تھا۔ یہی حقیقت تھی۔

اعلیٰحضرت بادشاہ غازی امیر امان اللہ خان خلد اللہ ملکہ نے مجھے سینے سے لگا لیا اور کہا۔

اس کا کچھ خیال نہ کرنا۔ قانون کی نظر میں بادشاہ اور اس کی رعیت دونوں برابر ہیں۔ اور مجھے مسرت ہے۔ کہ میری پولیس ویسا ہی کام کرتی ہے۔ جیسا کہ میں چاہتا ہوں۔

اس کے بعد انہوں نے اپنے فیض کریمانہ اور عنایت شاہانہ سے اپنی موٹر کار میں مجھے میرے گھر تک پہونچا دیا۔

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

(نیو اسٹیٹسمین)

باطل حکومت

(از مولانا ابو الجلال ندوی)

یہ تو ایک ایسی حکومت کا نقشہ تھا جو انسان کے لئے زحمت اور واقعی معنوں میں اللہ کا پرتو ہے۔ ایک ایسی حکومت کا تصور کرو۔ جو عامہ مسلمین کی مشترک حکومت نہ ہو۔ نہ تو جمہور کے مشوروں کی پابند ہو۔ نہ ان کی طرف سے منتخب ہو۔ بلکہ جابرانہ طور پر متصرف ہو گئی ہو۔ اس قسم کی حکومتیں بھی بعض اوقات رحمت ثابت ہو سکتی ہیں۔ بشرطیکہ حکومت مسلمان ہو۔

اگر والی یا حکومت صالح مسلمان نہیں ہے۔ یعنی بار حکومت سنبھالنے کے نا قابل یا ظالم یا بدکار ہے۔ تو اس کے متعلق ذرا وضاحت کی ضرورت ہے۔ اگر وہ بار حکومت نہیں اٹھا سکتا۔ تو حتی الوسع اس کی اعانت اور امداد کر کے حالت درست رکھنا چاہئے جب کسی صورت سے اصلاح پیدا نہ ہو۔ تو اس کو معزول کر دینا چاہئے۔ ظلم و بدکاری کی صورت میں اس کے تسلط کے ساتھ ہی اس کی حکومت سے انکار کر دینا چاہئے۔ ہاں اگر پورے تسلط کے بعد اس کا ظلم و فسق معلوم ہو۔ تو اس میں اختلاف ہے۔

ایک حدیث ہے ان لا تنازع الامر اھلہ یعنی حکومت کے متعلق اہل حکومت سے جھگڑنا نہیں چاہئے۔ یہ حدیث ان امرا کے لئے ہے۔ جو حکومت کے لئے صالح ہیں۔ دوسری حدیث میں ہے۔ کہ جبتک صریح کفر سرزد نہ ہو۔ اس وقت تک کسی مسلمان والی کے خلاف خروج کرنا روا نہیں۔ ان احادیث کی بنا پر عام فیصلہ یہ ہے۔ کہ مظالم کو خاموشی سے برداشت کرنا چاہئے۔ اور محض فسق کی وجہ سے کوئی والی معزول نہ ہوگا۔ ہاں اگر اس سے کفر تغییر شریعت یا بدعت سرزد ہو۔ تو

اس کی ولایت قائم نہیں رہ سکتی۔ اس کی اطاعت ساقط ہو جاتی ہے۔ اور ممکن ہو۔ تو مسلمانوں پر واجب ہے۔ کہ اس کو معزول کر کے دوسرا عادل سلطان مقرر کریں۔ قاضی عیاض وغیرہم کا بھی فتویٰ ہے۔

محققین علماء کا فتویٰ ہے۔ کہ محض جور و ظلم کی صورت میں بھی اس کو معزول کر دینا چاہیئے۔ بعض علماء شرط لگاتے ہیں۔ کہ ہتھیاروں کا استعمال نہ ہو۔ امام الحرمین فرماتے ہیں۔ کہ اگر والی وقت جابر ہو جائے۔ اور اس کا ظلم ظاہر ہونے لگے۔ تو ارباب حل و عقد کو حق ہے۔ کہ منحد ہو کر اس کو معزول کر دیں۔ اگرچہ جنگ و جدال ہی کی ضرورت ہو" (نووی ج ۱ ص ۵۲) یہی فتوے صحابہ کرام کے طریق عمل اور تابعین عظام کے کارناموں کے مطابق ہے۔

صحابہ کی باہمی جنگ کے متعلق صحت کے ساتھ کہا جاتا ہے۔ کہ اجتہادی غلطیوں کا نتیجہ تھی۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ وہ جنگیں درست نہیں۔ لیکن اس میں بھی ہم کو سبق ملتا ہے۔ کہ ظالموں کے خلاف ہم ہتھیار اٹھا سکتے ہیں۔ دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو ظالم سمجھا۔ اسی سمجھنے میں غلطی ہوئی۔ لیکن ان کا یہ فیصلہ کہ ظالم و فاسق کے مقابل تیغ آزما ہونا چاہیئے۔ بالکل درست و بجا تھا۔ عبداللہ بن زبیر۔ حسین ابن علی اور بہت سے اہل مدینہ نے بنی امیہ کا مقابلہ کیا۔ محض اسلئے کہ وہ ان کو ظالم سمجھتے تھے۔ ابن اشعث کے ساتھ صدر اول اور تابعین عظام کی ایک عظیم الشان جماعت نے حجاج کے خلاف خروج کیا تھا۔

صحابہ کرام میں سے کسی کے کفر کا خیال نہ تھا۔ امیر معاویہؓ یا حضرت عائشہؓ کو وہم بھی نہ تھا۔ علی سے تغیر شریعت یا بدعت سرزد ہوئی۔ عبدالملک یا حجاج سے تو کافر تھے۔ نہ بدعتی نہ مغیر شریعت۔ صرف ظلم و جبر نے سلف صالحین کو انتقام پر آمادہ کیا۔

حدیث میں آیا ہے۔ کہ جب تک صریح کفر سرزد نہ ہو۔ اس وقت تک مقابلہ نہ کرو۔ لیکن صریح کفر میں صریح ظلم بھی داخل ہے۔

غیر مسلم حکومتیں

یہ تو ان حکومتوں کا ذکر تھا جن کا صدر اعظم اور ذمہ دار اراکین سلطنت کا اہم حصہ مسلمان ہو۔ کافر گورنمنٹوں کا حکم دوسرا ہی ہے۔ مسلمانوں کے نزدیک چونکہ حکومت اور بادشاہی صرف خدا کا حق ہے۔ اس لئے ہم برحق حکومت اسی کو سمجھتے ہیں۔ جو شریعت محمدیہ کے اصول کے مطابق ان لوگوں کے ذریعہ قائم کی گئی ہو جنکو تاسیس و استقلال کا حق ہو۔ آنحضرت صلعم نے ہرقل کو جو فرمان لکھا تھا اس میں اس کو ملک روم نہیں لکھا تھا۔ عظیم روم لکھا تھا۔ اسکی اصل وجہ یہ ہے۔ کہ درحقیقت روم کا بادشاہ تھا۔ بلکہ قیصر قسطنطنیہ کے ماتحت ایک امیر تھا۔ لیکن امام نووی ایک دوسری وجہ فرماتے ہیں۔

لم یقل لہ تلک الروم لانہ لا ملک لہ شاہ روم نہ کہنے کی وجہ یہ تھی۔ ولا نفیذ لہ الا بحکم دین الاسلام ولا کہ اس کو یا کسی کو جب تک سلطان رحمہ الا لمن ولاہ رسول دین اسلام کے حکم سے حق اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او ولا من نہ دیا گیا ہو۔ حکومت کا حق اذن لہ رسول اللہ صلعم بشرط نہیں اور سلطنت کا حق اسی کو ہے۔ جسے خود آنحضرت سے اجازت لی ہے۔ مثلاً سلاطین اسلام یا عام مسلمین کے نمائندوں نے والی بنایا ہو۔

بایں ہمہ ہر کافر والی کی اطاعت حرام بھی نہیں۔ جن غیر مسلموں کو کسی مسلمان خلیفہ یا سلطان نے امیر یا عامل مقرر کیا ہے۔ ان کی اطاعت بھی لازم ہے۔ صالح لیس لمخلوق لمعصیۃ اللہ بشرطیکہ گناہ کا حکم نہ ہو۔ اگر کسی ملک پر حکومت کرنے والی جماعت کا

ہے۔ تو اگر مصالحہ وقت مقتضی ہوں۔ تو ان کی اطاعت کرنا جائز ہے۔ اور محض جائز ہے۔ واجب نہیں۔ چنانچہ مہاجرین حبشہ نے نجاشی کی گورنمنٹ سے ستر تابی نہ کی تھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام اور بنی اسرائیل عزیز مصر کے ملک میں رعایا کی حیثیت رکھتے تھے۔

اگر کوئی مسلمان والی کافر ہو جائے اور ہمیں قدرت ہو۔ تو اس کو فوراً معزول کر دینا چاہئے اگر قدرت نہ ہو۔ تو مجبوری ہے۔

کافر سلطنتوں کی اطاعت اسی وقت تک جائز ہے۔ جب تک عدل و انصاف قائم ہے۔ ظالم گورنمنٹوں کی اطاعت جائز نہیں۔ ہر وقت آزادی کی فکر میں لگا رہنا چاہئے۔ ہم کو حکم ہے۔ کہ اعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ (انفال) جہاں تک ہو سکے ان کے لئے قوت پیدا کرو۔ ظالم اور کافر بدکار کی اطاعت واجب نہیں۔ بلکہ حرام۔ خدا نے قوم فرعون کے حق میں صاف فرما دیا ہے۔

فاستخف قومہ فاطاعوہ انھم قوم فرعون نے اپنی قوم کو بیوقوف کا لیا فاسقین (زخرف) بنا لیا۔ اور انہوں نے اس کی فرمانبرداری کی۔ وہ نہایت بدکار قوم تھی۔

فاتبعوا امر فرعون وما امر فرعون میں انہوں نے فرعون کا بوشید فاتبعوا فی ھذہ لعنۃ ویوم کا فرمان مانا۔ حالانکہ اس کا القیمۃ (ہود) حکم نادرست تھا۔ تو ان پر اس دنیا میں اور قیامت کے دن لعنت کی گئی۔

معلوم ہوا کہ فراعنہ وقت کی اطاعت فسق۔ بدکاری اور لعنت کا باعث ہے۔ فراعنہ مصر کی خصوصیات یہ تھیں۔ (۱) حاکم جماعت کافر تھی۔ (۲) فرعون بہت ہی اقتدار پسند اور متکبر تھا۔ انہ طغی فی الارض (۳) وہ ظالم تھا۔

انطغی (۴) اس کو دعوے تھا کہ وہ بادشاہ ہے۔ الیس لی ملک مصر حالانکہ لا مالک الا اللہ (۵) ایک طرف تو اس نے اپنی قوم کو اتنے حقوق اور رعائتیں دے رکھی تھیں۔ کہ ساری قوم کو بادشاہ سمجھا جاتا تھا۔ دوسری طرف رعایا کے طبقہ کی جان، مال، آبرو، سب کچھ ہدف ظلم تھا۔ وجعل اھلھا شیعاً یستضعف طائفۃ منھم یذبح ابناءھم ویستحی نساءھم اس نے اہل ملک کے ایک حصہ کو نہایت کمزور بنا دیا تھا۔ ان کے مردوں کو قتل کر ڈالتا۔ اور عورتوں کو زندہ چھوڑتا تھا۔

حضرت شعیب نے اپنی قوم کو نصیحت کی تھی۔

اتقوا اللہ واطیعون ولا تطیعوا امر المسرفین الذین یفسدون فی الارض ولا یصلحون (شعرا)	اللہ سے ڈرو۔ میرا کہا مانو۔ اور ان بدکاروں کا حکم مت مانو۔ جو زمین میں فساد مچاتے ہیں۔ میل نہیں کراتے
تلک عاد جحدوا بایات ربھم و عصوا رسلہ واتبعوا امر کل جبار عنید فاتبعوا فی ھذہ الدنیا لعنۃ ویوم القیمۃ (ہود)	یہ عاد تھے۔ جنہوں نے اپنے رب کی نشانیوں کو جھٹلایا۔ رسول کی نافرمانی کی۔ اور ہر سرکش ظالم کی فرمانبرداری کی تو ان پر دونوں جہاں میں لعنت کیگئی
لا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا واتبع ھواہ وکان امرہ فرطاً (کہف)	جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنے دل کی خواہشوں پر عمل کرتا ہے اور جس کے احکام ظالمانہ ہوتے ہیں۔ اس کی اطاعت نہ کرو۔

ان روایتوں کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ جو حکومتیں جبار و عنید ہوں۔ جن کے اور کام درست نہ ہوں۔ بلکہ فرط یعنی غیر منصفانہ ہوں۔ رعایا کے مختلف طبقوں میں

مساوات کا خیال نہ رکھتی ہوں۔ بلکہ ایک کے حقوق زیادہ دوسرے کے کم ہوں۔ جو حکومت رعایا کے دو طبقوں کو باہم جنگ آزما رکھتی ہے۔ اور میل نہیں کراتی۔ اور جس کے قوانین محض ارباب حکومت کی اغراض و فرمانبرداری ہرگز روا نہیں۔ خصوصاً جبکہ فرعون اور ملا فرعون کافر ہوں عبداللہ بن ابی یہود مدینہ کا مسلم سرپنچ تھا۔ عرب میں غیر متحد قبائل کی حکومت تھی۔ ہر قبیلہ میں ایک رئیس اور ایک حکم ہوتا تھا۔ اور چند سردار یہی لوگ اپنے قبیلے کے حاکم ہوتے تھے۔ ایک یہودی اور ایک برائے نام مسلمان میں جھگڑا ہوا۔ یہودی حق پر تھا۔ اس نے عبداللہ بن ابی کو حکم قرار دیا۔ اس پر آیت نازل ہوئی کہ

الم تر الی الذین یزعمون انھم امنو بما انزل الیک وما انزل من قبلک یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفروا بہ ویرید الشیطان ان یضلھم ضلالا بعیدا (۱۰)

کیا آپ ان کو نہیں دیکھتے۔ جن کو غلط گمان ہے۔ کہ وہ قرآن اور کتب سابقہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اپنے معاملات فیصلہ کے لئے طاغوت (روسائے) کفر کی طرف لے جاتے ہیں۔ حالانکہ ان کو اس کی نافرمانی کا حکم دیا گیا ہے شیطان ان کو پرلے سرے کا گمراہ بنانا چاہتا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا۔ کہ طاغوت کی عدالتوں کو تسلیم کرنا ایمان کے خلاف ہے۔ اور ان کی نافرمانی کرنا واجبات سے ہے۔ اب سوال یہ ہے طاغوت کہتے کس کو ہیں۔

یہ لفظ فاعول کے وزن پر طغیان سے مشتق ہے۔ فاعول کا خاصہ ہے کہ وہ ذریعہ اور سبب پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے طاغوت کے معنی ہوئے باعث طغیان، گمراہی کا سبب۔ گناہ کا موجب اس لفظ کا استعمال تین معانی میں

ہوتا ہے۔ (الطاغوت) شیطان (سردار) رؤسائے کفار جو حاکم و مطاع سمجھے جاتے ہیں۔ شان نزول اور قرینہ کلام اسی تیسرے مفہوم کا موید ہے۔ اس آیت کے بموجب جتنی جماعتیں۔ گورنمنٹیں، یا اشخاص باعث ضلالت ہوں۔ ان کی اطاعت حرام ہے۔

جس کافر بادشاہ یا سلطنت کی عداوت و دشمنی نمایاں ہو جائے۔ اس کی اطاعت بھی حرام ہے۔ حضرت ابراہیم نے اپنی قوم یعنی نمرود پرستوں سے بالاعلان فرما دیا:

انا برآء منکم وما تعبدون من دون اللہ	ہم تم سے اور خدا کے علاوہ تمہارے
کفرنا بکم وبدا بیننا وبینکم العداوۃ	تمام معبودوں سے بیزار ہیں ہم نے
والبغضاء ابدا حتی تؤمنوا باللہ	تمہاری فرمانبرداری چھوڑ دی۔ ہم
وحدہ (ممتحنہ)	میں تم میں ہمیشہ کے لئے عداوت اور

دشمنی ہو گئی۔ تا آنکہ خدائے واحد پر ایمان لاؤ۔

سوچو! محارب کافروں کی اطاعت کیسے جائز ہو سکتی ہے۔ جبکہ مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے۔

انما جزاء الذین یحاربون اللہ و	اللہ اور اس کے رسول سے جو لوگ
رسولہ ویسعون فی الارض فسادا	لڑتے ہیں۔ اور دنیا میں فساد مچاتے ہیں
ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع	ان کی سزا یہی ہے کہ وہ قتل کر دیئے جائیں
ایدیھم وارجلھم من خلاف	یا ان کو پھانسی دی جائے۔ یا ان کے
او ینفوا من الارض	ہاتھ پاؤں کاٹ لئے جائیں۔ یا ملک سے
(مائدہ)	نکال دیئے جائیں۔

کفر و اسلام کے اتحاد کا سوال

(از جناب محمد پیر بخش صاحب سکرٹری انجمن تائید اسلام لاہور)

آجکل ایک عام ہوا چل رہی ہے۔ اور پے در پے جلسے ہو رہے ہیں۔ کہ مسلمان باہمی تفرقہ و کش مکش کو چھوڑ کر کفار کے مقابلہ میں ایک ہو جاویں۔ یہ جلسے بڑے زور شور کے ساتھ زیر صدارت جناب علامہ سر محمد اقبال صاحب و سر محمد شفیع و شیخ عبدالقادر صاحبان تقابہم ہو رہے ہیں۔ یہ جلسے مرزائی صاحبان کی تحریک سے ہو رہے ہیں۔ تاکہ سوامی شردھانند کے قتل پر جو اتہامات آریہ صاحبان کی طرف سے لگائے جا رہے ہیں۔ ان کا جواب دیکر دامن اسلام ان تہمتوں سے پاک ثابت کیا جاوے۔

پہلا جلسہ۔ باغ بیروں موچی دروازہ لاہور میں زیر صدارت سر ڈاکٹر محمد اقبال صاحب منعقد ہوا۔ اس میں مولوی صدرالدین صاحب نے جو لاہوری جماعت کے سرگرم ممبر ہیں۔ دوران تقریر میں فرمایا۔ کہ اسلام یہاں تک غیروں سے رواداری سکھاتا ہے۔ کہ ابتداً صفت ایمان میں امنت باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ الخ میں جہاں خدا اور فرشتوں پر ایمان لانے کی ہدایت کرتا ہے۔ وہاں تمام کتابوں جنمیں وید اور زردشتیوں کی کتاب دشاستر اور رسلہ میں کرشن جی وغیرہ سب شامل ہیں۔ صدرالدین صاحب کا یہ فرمانا بالکل غلط ہے۔ کیونکہ صفت ایمان کا یہ مقصد اسلام کی کسی کتاب میں نہیں۔ کیونکہ قرآن شریف نے جن کتابوں پر ایمان لانا سکھایا ہے۔ ان کے نام بھی بتا دیئے ہیں۔ یعنی توریت۔ زبور۔ انجیل۔ فرقان اور صحیفوں

کے نام بھی آدم علیہ السلام سے لیکر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تک کے بتائے ہیں۔ مولوی صدرالدین آریوں کے اتہامات سے دامن اسلام پاک کرنیکو کھڑے ہوئے تھے۔ نہ کہ کفر و اسلام کیلانیکے لئے ؎

تو برائے وصل کردن آمدی

نے برائے فصل کردن آمدی

جب تک اس قسم کی باتیں بیان کرنی جلسوں میں بند نہ ہونگی جلسوں کی کامیابی ناممکن ہے۔ اگر ایسی باتیں جلسوں میں بیان ہوئیں۔ جن کے ساڑھے تیرہ سو سال سے مسلمانوں نے اسلام میں نہیں مانا۔ تو ضرور ان کا جواب دینگے۔ نتیجہ وہی۔ کہ صورت مجادلہ و مناظرہ کی شروع ہو جائیگی اور شک ہے کہ دنگہ و فساد تک نوبت نہ جا پہنچے۔ اور اس میں بزرگان اہل ہنود و آریہ صاحبان کی بھی ہتک ہے۔ کہ ان کے مرتبہ میں کمی ہو۔ کیونکہ وہ کرشن جی اور رام چندر جی کو اوتار مانتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ جب گنہگاری زیادہ ہو جاتی ہے۔ تو خدا تعالیٰ خود انسان بن کر دنیا میں اتر آتا ہے۔ یعنی یعنی خدائی سے تنزل کرکے آدمی بن کر کسی عورت کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے (نعوذ باللہ) چنانچہ کرشن جی نے گیتا میں فرمایا۔ جس کا فیضی نے فارسی میں یوں ترجمہ کیا ہے

چو بنیاد دیں سست گردد بسے — نمایم خود را بشکل کسے

بریزیم خون ستم پیشگاں — جہاں را نمائیم دار الاماں

باقی آئندہ